

مسئلہ فلسطین



اسباب، نتائج

اور اس کا حل

محمد مرصاد حیدر تیمور آسوی

فہرست

دیباچہ

ایک دہائی سے عرب اسرائیل جنگ جو کہ عرب کی زمین پر ایک خنجر کی صورت میں اسرائیل کا قیام ہونے کے بعد سے جاری تھی کسی طور بھی ناجائز وجودِ اسرائیل کو ختم نا کر سکی جس کے اسباب میں بلاشبہ اتفاق کا فقدان، طاقت کی کمی اور مابین المسلمین تعلقات کی خرابی تھی۔ مسلمانوں نے اسے فقط علاقائی جنگ تصور کرتے ہوئے لاپرواہی برتی اور مغرب وامریکہ کی خوشنودی کے واسطے اسرائیل کے حریفوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور یوں خود کو اس ناجائز وجود کی حمایت میں نامزد کیا۔ مزاحمتی گروہوں، تحریکوں نے اسرائیل کے خلاف تگ ودو جاری رکھی جس سے اس ناسور صیہونی گڑھ کو خطرہ لاحق تھا اور اس نے بھی ان تحریکوں اور تنظیموں کو اپنے راستے سے مٹانے کی کوئی کسر باقی نا چھوڑی اور ساتھ ہی ساتھ تفریق وراج کے اصول کے تحت اپنے تمام حریفوں کو مادی وسائل کی مجبوریوں اور مصلحتوں کے خواب دکھا کر ایک دوجے کے سامنے لا کھڑا کیا۔

بہت کچھ یہاں حذف کرتے ہوئے اتنا کہنا چاہوں گا کہ ہم بعض اوقات جذبات میں آکر حقائق اور غفلت کو نظر انداز کر بیٹھتے ہیں جس سے وقتی زور و شور تو ہو جاتا ہے مگر مستقل حل نہیں لہٰذا ہمیں ہمہ جہت ہو کر تمام حالات کا جائزہ غیر جانبداری سے لینا چاہیے تا کہ جہاں پر نقائص موجود ہیں انہیں ٹھیک کیا جا سکے اپنی غلطیوں سے سیکھا جائے، کھرے کھوٹے کی تمیز ہو سکے اور پھر ہم ملزم کو کیفرِ کردار تک پہچانے کی مسمم جستجو کریں۔ زیرِ نظر مضمون 07 اکتوبر 2023ء اسرائیل کے حماس (فلسطین) پر حملے کے بعد لکھا گیا تھا جو کہ آئیندہ چار سال تک جاری ہے اور پوری دنیا میں امن کے دائیوں پر سوالیہ نشان اور انسانیت پرستوں کے واسطے سیاہ ترین دور رہا ہے۔

ایک بات عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ انسان چونکہ متغیر ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کے نظریات بھی بدلتے ہیں زیرِ نظر مضمون کو بغیر کسی ترمیم کے ہو بہو پیش کیا جاتا ہے جیسا کہ یہ اول مرتبہ لکھا گیا البتہ آج 2026ء میں مصنف (میرے) خیالات میں کچھ تبدیلی آئی ہے، پورے مضمون میں جہاں کہیں اپنی پچھلی بات کی وضاحت یا کسی بات سے رجوع درکار ہوئی تو موجودہ رائے نیچے حاشیے میں درج کی جائے گی تا کہ اصلی متن باقی رہے مگر قاری کے ابہام بھی دور ہوتے رہیں اس طرح ہمارے متعلق بھی اگر کوئی ظن ہوا تو امید ہے وہ حسنِ ظن ہو جائے گا۔ مرکزی نظریہ تو الحمد للہ آج سے چار سال قبل بھی ہمارا وہی تھا جو آج ہے البتہ کچھ چیزوں میں رائے کی تبدیلی واقع ہوئی ہے جو کہ درج کر دی جائے گی۔ اللہ ہمیں درست سمت عطا کرے اور نظریاتِ باطلہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے، حق کی شناخت اور اس پر قیام دائمی بنائے۔ آمین

خاکسار

مرصاد حیدر

30 مئی 2026ء

مسئلہ فلسطین

قضیہ کوئی بھی ہو طرفین کی سماعت کے بغیر فیصلہ ناقص و ادھورا رہتا ہے۔ آگاہی جو تحقیق کے بغیر سنی سنائی معلومات پر مبنی ہو ناقص ہو سکتی ہے، ایک مستند بات اور پختہ قول کے لیے تحقیق لازمی ہے۔ روز مرہ کے ابھرتے مسائل کسی علاقے کسی گروہ کسی فرد پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح کچھ مسائل بین الاقوامی سطح پر پوری دنیا کو متاثر کرتے ہیں جن کے اثرات بھی بھاری وزن رکھتے ہوئے مرتب ہوتے ہیں اور اگر ان کو حل کرنے میں صحیح فیصلے نا کیے جائیں تو بھاری نقصان بھی مقدر ہوتا ہے یا یوں کہہ لیں کہ "لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی"۔ اپنی تمہید کو سمیٹتے ہوئے اگر مدعے کی طرف آؤں تو ذیل میں کی جانے والی بحث یا اسباب و نتائج سے ایک اہم مسئلہ بنام "مسئلہ فلسطین" کو پرکھا جائے گا۔ موجودہ دور میں اس ہنگامے سے تقریباً ہر کوئی آگاہ ہے لیکن افراد کی کتنی تعداد اس کی نوعیت اس کی حساسیت سے واقف ہے؟ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس کے لیے ہمیں تاریخ کا مطالعہ درکار ہے اس کے حقائق سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس کے اسباب کیا تھے؟ پھر نتائج کیا نکلے؟ یہ سب ایک قضیہ ہے جسے سلجھانا ہے۔

مسئلہ فلسطین بہت سے کالمز، مضامین و عنوانات کی زینت بنا ہے، میڈیا پر اس کی تشہیر اس کا حل وغیرہ وغیرہ الغرض بہت مقدار میں مواد دستیاب ہے، مذہبی تنقید کا سہرا بھی اس کے سر سجا ہے، اسے ہلال و کفر کی جنگ بھی گردانہ گیا ہے اسے معیشت کی لڑائی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اسے نسلی بقا کی جنگ کہا گیا ہے۔ غرض ہر ایک نے اپنی معلومات یا یہ کہنا بجا ہو گا کہ سب نے اپنی ترجیحات کے مطابق اس مسئلہ کو رنگ دیا ہے۔ مگر ہمیں اس کی اصل حقیقت کو جاننا ہے اس کی نوعیت کو سمجھنا ہے اس کے صحیح اسباب کو دیکھنا ہے اور اگر صحیح معنوں میں اس قضیہ کو سلجھانا ہے تو بین الاقوامی سازش کو سمجھنے کے لیے آزاد تاریخی مطالعہ درپیش ہے، جو مذہبی تعصب اور قتلِ حقائق سے بالاتر حقیقت پر مبنی ہو تا کہ ہم اس کے مطالعہ کے بعد آسانی سے کسی نہج پر پہنچ سکیں اور معلوم کر سکیں کہ کیا یہ مذہبی جنگ ہے یا سازش ہے؟ یا کچھ اور ہے؟ اس کے اثرات کن پر مرتب ہوئے اور ان سے نمٹنے کے لیے کونسا لائحہ عمل درکار ہے اور اس میں ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں؟

فلسطین معتبر زمین ہے جو خاص تین بڑے مذاہب کے لیے اہمیت کی حامل ہے۔ اس زمین کو سرزمینِ انبیاء بھی کہا جاتا ہے۔ اسی زمین پر قدیم سے جدید تک کی تحریکیں وجود میں آئیں اور پروان چڑھیں۔ یہیں پر اطاعت کی داستانیں رقم ہوئیں اور اسی خطے میں نافرمانی کے مناظر دیکھے گئے۔ قدیم مذاہب میں یہ یہودیت کا وطن رہا ہے انہوں نے اس کے حصول کے واسطے قتال بھی کیا، آسمانی کتابوں میں اسے حاصل کرنے کا ذکر بھی ملا ہے، عیسائیت کے لیے بھی یہ مقبول جگہ ہے کہ یہیں ان کی تاریخ وابستہ ہے اور مسلمانوں کے لیے بھی یہ زمین بہت اہمیت کی حامل ہے کیوں کہ یہاں قبلہ اول رہا ہے اور یہیں سے خاتم الانبیاء ﷺ معراج کو تشریف لے گئے تھے۔ غرض یہ کہ اس خطے کی اہمیت بہت واضح ہے اور یہی وجہ ہے یہاں پر آج تینوں مذاہب آباد ہیں۔ ابتدا میں عہدِ فاروقی اور بعد میں صلاح الدین ایوبی کی صلیبی جنگیں بھی اسی کے حصول کے لیے تھیں لیکن ان کے نقطہ نظر میں موجودہ مسئلہ کو تاویل کرنا درست نہیں،[1] کہ اس کے حقائق و وجوہات جاننے کی ضرورت ہے۔

عرب اسرائیل جنگ یا اب فلسطین اسرائیل جنگ کے پیچھے کیا وجوہات ہیں؟ جیسا کہ کثیر التعداد اذہان میں یہ فکر ہے کہ "یہ سب یہودی مذہب کی کارکردگی ہے" اور اسلام و یہود کی جنگ ہے تو ان تمام افکار و نظریات کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ شروع سے شروع کیا جائے۔

(1) دین کا مفہوم خود میں اس قدر ہی وسیع ہے کہ سیاست، معیشت اور معاشرے کو گھیر لیتا ہے چونکہ ہمارے ہاں عام طور پر دین کا مفہوم مذہب سے بدل چکا ہے جو فقط عبادات و اخلاقیات کے مجموعے کا نام ہے مگر سیاست اور معیشت کو اس سے جدا رکھا جاتا ہے تو اس لیے ہمیں مذہبی تاثرات سے ہٹ کر معاملے کی نوعیت کو سمجھنا ہے کہ کس طرح سے کونسے محرکات و لوازمات اس سب بگاڑ کا سبب بنے ہیں جیسا کہ خود اسرائیل کا قیام بھی کسی طور مذہبی نہیں تھا بلکہ ایک قوم سے انخلاء اور دوسری قوم پر مسلط کرنا تھا جو کہ ہم آگے پڑھیں گے۔

اسباب

مختصر انداز میں قاری کے لیے مواد پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس کی روشنی میں اصل مسئلہ واضح کیا جائے اور اس کا حل بھی عیاں ہو سکے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب یہودی سازش ہے! اگر ہے تو یہودی کیا چاہتے ہیں؟ اگر نہیں ہے تو ایسا کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کے پیچھے کون سے مقاصد اور وجوہات ہیں؟ تو جان لیں کہ یہ سب شروع ہوتا ہے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی سازش سے۔ یہودیوں نے اس سازش کو رچایا ضرور تھا لیکن باقاعدہ عمل نہیں کر سکے، اس فعل کو سرانجام سلطنتِ رومانے دیا۔ (ان کے مطابق) جب رومانے جنابِ مسیح کو شہید کیا تو عیسائیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد ان کے خلاف ہو چلی تھی اور ریاست کو خطرہ بھی لاحق ہونے لگا لہٰذا انہوں نے سارا ملبہ یہودیوں پر ڈال کر خود اس معاملے سے اعلان براءت کر دیا، گرچہ اسلام اس بات کی نفی کرتا ہے اور قرآن میں ہے کہ وہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں، خیر یہودی جو پہلے ہی اپنے تاریک ماضی اور انبیاء کو شہید کرنے کے حوالے سے بدنامِ زمانہ تھے اور ان کی سرکشی بھی واضح تھی لہٰذا اس معاملے میں بھی بغیر کسی تردد کے یہ الزام لگا دیا گیا۔ ٹھوس طریقے سے یہودیوں کی مخالفت کی گئی اور انہیں فلسطین چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ اب یہودی اپنی مفلسی سے بچنے کے لیے ایک اور نجات دہندہ جس کی پیشن گوئی آسمانی کتب میں موجود تھی کے لیے عرب میں آکر آباد ہونے لگے۔ یہودی یہاں پر بے خوف آباد ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگے۔ پھر بعثت کے بعد ہجرت ہوئی اور رسول اللہ ﷺ مدینہ کو ہجرت فرما گئے، یہودی یہاں پر کثیر تعداد میں آباد تھے۔ ان سے معاہدہ بھی کیا گیا لیکن فطری سرکشی کے باعث یہودیوں سے جنگ کی گئی اور انہیں جزیرہ نما عرب سے نکال دیا گیا۔ عیسائی اس وقت سپر پاور تھے (سلطنت روما نے عیسائیت کو قبول کر لیا تھا)، لہٰذا یہودیوں کو جب دونوں طرف سے پناہ نا ملی تو یہ بھٹکتے ادھر ادھر آباد ہونے لگے۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ جو انقلابات رونما ہوئے ان کے سبب فرانس سب سے پہلا ملک تھا جس نے لبرل پالیسی اختیار کی اور یہودیوں کو فرانس میں رہنے کی اجازت دی بلکہ انہیں فرانسیسیوں کے حقوق بھی فراہم کیے،[2] اس کے ساتھ ساتھ برطانیہ میں یہودی آباد ہونے لگے اور بہت تعداد میں یہود یورپ کے شہری بھی بن گئے۔[3]

برطانیہ اگرچہ ان کے رہنے پر خاموش تھا مگر دل سے راضی نہیں تھا اور کسی صورت بھی یہودیوں کا وجود پسند نہیں کرتا تھا، ان کے دلوں میں پرانی کدورت اور خدشات موجود تھے اسی اثنا میں وقت کا پھیر ہوا اور فرانس کے یہودی جنرل [4] پر غداری کا الزام لگ گیا۔ بس پھر سب کچھ ان کے حق میں بد سے بدتر ہونے لگا۔ ان کا ماضی ان کے لیے وبال بن گیا اور انکی تاریخ کا حوالہ دے کر اس کے الزام کو پختہ کیا گیا۔ اب فرانس بھی یہودیوں کو رکھنے پر راضی نہیں تھا اور ان کے اخراج کے درپے ہو گیا جو جانے سے انکار کرتا اسے قتل کر دیا جاتا۔ یہاں سے بھاگے یہودی تو یورپ کے دیگر ممالک میں آباد ہوئے جو اب دل ہی دل میں ان سے جان چھڑانا چاہتے تھے لہٰذا انہیں جو پسماندہ علاقے دیے گئے وہاں کسی قسم کی خاطر خواہ سہولت موجود نا تھی۔ نہ ان کو کسی کام میں شریک کیا جاتا بلکہ انہیں معاشرتی لعنت تصور کیا جانے لگا اور ان کے وجود سے بھی گھن محسوس کی جاتی، اب یہودیوں کے پاس سوائے کاشتکاری کے اور کوئی وسیلہ نہیں تھا بس یہ کھیتوں میں کام کرتے اور اپنا نظام معیشت بحال رکھتے۔ یوں یہودی یورپ کے کاشتکار کسان بن گئے۔

کاشتکاری کے سبب منڈی میں بڑھتی ہوئی پہچان و تعداد کے ذریعے یہود مال دار ہو گئے اور دوجا پیشہ اختیار کیا کہ لوگوں کو قرض دینے لگے، انہی لوگوں میں بڑی تعداد عیسائیوں کی تھی لیکن یہودی جب قرض واپس لیتے تو سود سمیت لیتے، یہ عیسائیوں کو پسند نہیں تھا اور ان کے مذہب میں بھی جائز نا تھا لہٰذا انہوں

---

[2] Hunt, L. (1996). *the French Revolution and Human Rights: A Brief Documentary History*. Bedford/St. Martin's
[3] Mundill, R. R. (1998). *England's Jewish Solution: Experiment and Expulsion, 1262–1290*. Cambridge University Press.
[4] Captain Alfred Dreyfus, an Alsatian artillery officer of Jewish descent, was wrongfully convicted of treason for allegedly communicating French military secrets to the German Embassy. The false accusations were heavily fueled by deep-rooted anti-Semitism within the French military and society at the time. In December 1894, Dreyfus was court-martialed in a swift, secret trial using fabricated and forged evidence.

نے اپنی نفرت نکالنے کا نیا بہانہ گڑھ لیا، وہ چاہتے تھے کہ ہم کو قرض بھی دیا جائے اور واپس طلب بھی نا کیا جائے۔[5] لیکن یہود کو یہ گوارا کب تھا، مقروضوں میں بڑے جاگیر دار یا اشرافیہ بھی شامل تھی اب انہوں نے قرض واپس کرنے کی بجائے مار پیٹ اور پھر قتل کرنا شروع کر دیا۔ مختصر یہ کہ دونوں جانب سے جب گرما گرمی طول پکڑنے لگی تو یورپ نے زچ ہو کر کہا کہ یہودی یہاں سے دفع ہو جائیں، یہاں سے چلے جائیں۔ جبکہ یہودی چاہتے تھے کہ انہیں رہنے دیا جائے یورپ میں مگر اس مطالبے پر عمل کے برعکس ان پر مزید سختیاں کی گئیں۔ پہلی جنگِ عظیم ہوئی لیکن اس میں یہودیوں کو نکالنے کا مشن کامیاب نا ہو سکا اور یورپ سے ان کی ملک بدری میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نا ہوا۔ یہودی بجائے یورپ چھوڑنے کے وہیں پر مکین رہے۔

---

[5] چونکہ عیسائی مذہب میں سود لینا گناہ (Usury) سمجھا جاتا تھا، اس لیے بادشاہوں نے یہودیوں کو یہ کام کرنے کی اجازت دی اور پھر ان پر ("Tall age" ایک خاص شاہی ٹیکس) لگا کر وہ سارا پیسہ خود ہڑپ کر لیا۔ یعنی بدنامی یہودیوں کے حصے میں آئی اور پیسہ بادشاہ کے پاس گیا۔ جب یہودیوں کی دولت ختم ہو گئی اور بادشاہوں نے ان سے سارا پیسہ نچوڑ لیا، تو ایڈورڈ اول نے 1290ء میں انہیں انگلینڈ سے جلاوطن کر دیا تا کہ عوامی مقبولیت بھی حاصل کی جا سکے اور ان کے بچے کچھے اثاثے بھی ضبط کر لیے جائیں۔
(The Expulsion of Jews from England in 1290: The Expulsion of Jews from; Robert C. Johnson and Alexander K. Salter)

نتائج

اب یورپ کو پختہ لائحہ عمل کی ضرورت تھی کہ بس ان یہودیوں کو یہاں سے دفع کیا جائے یا کسی طرح ہی یہ چلے جائیں۔ اسی زمرے میں 19 صدی عیسوی میں ایک ملحد تھیوڈر ہرزل Theodor Herzl [6] نے ایک تنظیم بنائی World Zionist Organization جس کا مقصد طاقت کے بل بوتے پر یہودیوں کو یورپ سے نکالنا تھا۔ اس کے واسطے کہا گیا کہ تمام یہودی یورپ کو چھوڑیں اور اپنی سر زمین میں دوبارہ چلے جائیں اور فلسطین میں آباد ہوں لیکن یہودیوں نے جانے سے انکار کر دیا انہوں نے ایک جملہ استعمال کیا کہ A land without people for people without land، [7] یعنی لوگوں کے بغیر زمین ان کے لیے جن کے پاس زمین ہی نہیں ہے۔ لہٰذا انہوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ آرتھوڈوکس یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ فلسطین Promise Land ہے یہاں پر وہ مسیح کے آنے سے پہلے نہیں جاسکتے، مسیحا آئے گا اور انہیں فلسطین لے کر جائے گا جس زمین کا وعدہ خدا نے ان سے کیا ہے ان پر اس کے لیے لڑنا حرام ہے یہ کام مسیح کا ہے، البتہ سیر و تفریح کے لیے جاسکتے ہیں۔ یہ بات کسی صورت بھی یہودی مخالفین کو قبول نہیں تھی لہٰذا انہوں نے عیسائیوں کے ذریعے ذہن سازی کی اور طاقت کے زور پر فلسطین کو ہتھیانے پر توجہ مرکوز کر دی۔ صیہونی تحریک کے ذریعے انہیں ایک صیہونی ریاست قائم کرنے پر اکسایا گیا کیونکہ کسی طرح انہیں یورپ سے نکالنا تھا۔ اپنی بقا کے لیے یہودیوں نے سوویت یونین سے اتحاد کیا اب یہ سب کیمونسٹ تھے اور ان کے حریف نازی فاشسٹ تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ کیمونسٹ یہودی سازش و فتنہ ہے لہٰذا انہوں نے پورے جرمنی میں یہودیوں کے خلاف تحریک چلا دی، لوگوں کے دلوں میں ان کی نفرت کو فروغ دیا اور یہ کہا کہ اگر یہودیوں کو مار دیا جائے تو کیمونسٹ، سوشلسٹ سب ختم ہو جائیں گے لہٰذا بڑے پیمانے پر ہولوکاسٹ [8] Holocaust کیا گیا جس میں چھ لاکھ یہودیوں کو قتل

---

[6] Theodor Herzl (2 May 1860 - 3 July 1904) was a Hungarian Jewish journalist and lawyer who was the father of modern political Zionism. Herzl formed the Zionist Organization and promoted Jewish immigration to Palestine, which, in the late 19th century was part of the Ottoman Empire, in an effort to form a Jewish state. Due to his Zionist work, he is known in Hebrew as *Chozeh HaMedinah* (חוֹזֵה הַמְּדִינָה), lit. 'Visionary of the State'. He is specifically mentioned in the Israeli Declaration of Independence and is officially referred to as "the spiritual father of the Jewish State". *(Cohen, Israel (1959) Theodor Herzl, founder of political Zionism. T. Yoseloff, P; 19)*

Jewish journalist, Theodor Herzl, who published his pamphlet *Der Judenstaat* ("The Jewish State") in 1896 and *Altneuland* ("The Old New Land") in 1897. He described the Affair as a personal turning point, Before the Affair, Herzl had been anti-Zionist; afterwards he became ardently pro-Zionist. In line with the ideas of 19th-century German nationalism Herzl believed in a Jewish state for the Jewish nation. In that way, he argued, the Jews could become a people like all other peoples, and anti-Semitism would cease to exist.

[7] "A land without a people for a people without a land" is one of the most oft-cited phrases in the literature of Zionism and perhaps also the most problematic. Anti-Zionists cite the phrase as a perfect encapsulation of the fundamental injustice of Zionism: that early Zionists believed Palestine was uninhabited, that they denied and continue to reject the existence of a distinct Palestinian culture, and even as evidence that Zionists always planned on an ethnic cleansing of the Arab population. Such assertions are without basis in fact: They both deny awareness on the part of early Zionists of the presence of Arabs in Palestine and exaggerate the coalescence of a Palestinian national identity, which in reality only developed in reaction to Zionist immigration. Nor is it true, as many anti-Zionists still assert that early Zionists widely employed the phrase. (The Middle East Quarterly, by: Diana Muir; spring 2008)

[8] واضح رہے کہ جہاں مرکزی دھارے کی تاریخی تحقیقات (Mainstream Academia) 60 لاکھ کی تعداد کو ایک مسلمہ حقیقت مانتی ہے، وہیں اس کے برعکس بیانیہ رکھنے والے محققین (جنہیں ریویژنسٹ یا ہولوکاسٹ کے منکر کہا جاتا ہے) کا دعویٰ ہے کہ یہ تعداد سیاسی مقاصد کے لیے مبالغہ آرائی پر مبنی ہے۔ ان کے مطابق جنگ، بیماریوں اور نقل مکانی کے باعث ہونے والی اصل ہلاکتیں 3 لاکھ

کیا گیا۔ اور جو باقی بچے انہیں قید کیا گیا، بعد ازاں ہٹلر نے خود کشی کی اور اس کی موت کے ساتھ ہی نازی تحریک بھی ختم ہوئی تو سرخ فوج Red Army نے بڑی تعداد میں یہودیوں کو قید سے رہا کیا جو تقریباً ایک ملین کے قریب تھے۔

ہرزل اگرچہ خود ملحد[9] تھا اور ایک سیکولر ریاست کا خواہاں تھا لیکن اس نے یہودیوں کو صیہونی ریاست کے لیے اکسایا اور اس کے ہم خیال یہودیوں کو مکمل تیار کیا۔ پھر فلسطین میں یہودی آباد ہونے لگے۔ شروعات میں زمینیں خریدیں[10] پھر آہستہ آہستہ قبضہ جمانا شروع کیا اس دوران ان کی اسلحہ سے خوب مدد کی گئی اور ان سب کو مضبوط کیا گیا۔

سے 15 لاکھ کے درمیان تھیں۔ اس موقف پر دلائل ملاحظہ کیجیے: ریویژنسٹ 1930 اور 1940 کی دہائیوں کے مشہور امریکی جریدے "دی ورلڈ المانیک اینڈ بک آف فیکٹس" (The World Almanac and Book of Facts) کے ایڈیشنز کا حوالہ دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جنگ سے پہلے اور جنگ کے بعد کے برسوں (مثلاً 1947 اور 1948) میں دنیا بھر میں یہودیوں کی کل آبادی کا جو ہندسہ اس جریدے میں چھپا، اس میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی تھی اور وہ 1 کروڑ 50 لاکھ سے 1 کروڑ 60 لاکھ کے آس پاس ہی رہا۔ ان کا استدلال ہے کہ اگر 60 لاکھ یہودی مارے جا چکے ہوتے، تو جنگ کے فوراً بعد آبادی کے عالمی ڈیٹا میں اتنی بڑی کمی لازمی نظر آتی۔ (*The World Almanac and Book of Facts* (specifically the editions from 1933, 1938, 1947, and 1948) تاریخ دان اس دلیل کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ المانیک نے خود واضح لکھا تھا کہ اس کے اعداد و شمار "امریکن جیوش کمیٹی" کے 1931 کے پرانے تخمینوں پر مبنی تھے، اور ناشرین نے 1950 کی دہائی کی نئی مردم شماری سے پہلے یورپ کے ڈیٹا کو اپ ڈیٹ نہیں کیا تھا۔ Revisionists emphasize that despite the capture of millions of pages of Nazi bureaucratic documents by the Allies, no written order signed by Adolf Hitler or Heinrich Himmler explicitly ordering the physical extermination of 6 million Jews has ever been found. They argue that the "Final Solution" (*Endlösung*) originally referred to the forced emigration and territorial relocation of Jews (such as the Madagascar Plan or deportation to the East, not mass murder. (*Hitler's War (1977) by David Irving*)) تاریخ دان وضاحت کرتے ہیں کہ 40 لاکھ کا ہندسہ دراصل سوویت یونین (روس) کا پروپیگنڈا تھا، جبکہ مغربی تاریخ دانوں نے 1950 ہی کی دہائی میں آشوِٹز کی اصل تعداد 10 لاکھ کے قریب بتا دی تھی، اس لیے مجموعی 60 لاکھ کی تعداد پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ Revisionists argue that the logistics of gassing and cremating 6 million people within a span of less than four years under wartime resource constraints were technically impossible. They claim that the execution chambers lacked the necessary sealing and ventilation systems required for mass homicidal gassing using Zyklon-B (hydrogen cyanide), and that the capacity of the --- crematoria ovens was insufficient to burn millions of bodies. (*The Leuchter Report (1988) by Fred A. Letcher*) کچھ ناقدین کا کہنا ہے کہ "60 لاکھ" کی تعداد ایک علامتی یا مذہبی اہمیت کا ہندسہ ہے جو ہولوکاسٹ سے بہت پہلے سے استعمال ہو رہا تھا۔ وہ 19ویں صدی کے آخر اور 20ویں صدی کے اوائل کے امریکی اخبارات کے حوالے دیتے ہیں جہاں ہٹلر کے اقتدار میں آنے سے بھی بہت پہلے یورپ میں یہودیوں پر مظالم کے تناظر میں بار بار "60 لاکھ" کا ہندسہ استعمال کیا گیا۔ *(The First Holocaust: Jewish Fund Raising Campaigns with Holocaust Claims During and After World War I (2003) by: Don Heddesheimer)* اس کتاب میں انہوں نے پہلی جنگِ عظیم کے دوران اور اس کے فوراً بعد کے امریکی اخبارات (جیسے The New York Times کا 1919 کا ایک آرٹیکل جس کا عنوان تھا "The Crucifixion of Jews Must Stop!") کے تراشے جمع کیے ہیں، جن میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ یورپ میں "60 لاکھ یہودی" قحط اور مصائب کا شکار ہو کر مرنے والے ہیں۔ اس سب سے ثابت ہوتا ہے کہ چھ لاکھ کی تعداد مستند نہیں بلکہ ایک پراپیگنڈا ہے جسے یہودیوں کی ہمدردی اور اسرائیل کے قیام کے واسطے استعمال کیا گیا ہے تا کہ عالمی حمایت اور ہمدردی ان کے حصے میں آ سکے۔ (راقم)

[9] Theodor Herzl was an atheist and largely irreligious. The founder of modern political Zionism was an assimilated European intellectual whose diaries reveal his blunt view on religion: "I am completely irreligious and do not feel compelled to hold on to religion for its own sake". *(Religion and Global society: by Anne Iran; the London School of economics and political science-02, May 2018)* Herzl's vision for a Jewish state was driven by European nationalism and the need to escape rising anti-Semitism, not by a spiritual or messianic return to the biblical homeland. *(William Eichler, Herzl's Troubled Dream: The Origins of Zionism; Published in History Today Volume 73 Issue 6 June 2023)*

[10] 1880 کی دہائی میں، یہودیوں نے۔ جن میں زیادہ تر اشکنازی (Ashkenazi) تھے۔ عثمانی فلسطین میں زمینیں اور جائیدادیں خریدنا شروع کیں تا کہ 'یشوو' (Yishuv - فلسطین میں یہودی آبادی) کی مجموعی علاقائی ملکیت کو بڑھایا جا سکے۔ بڑی یہودی کارپوریشنوں اور نجی یہودی خریداروں نے متعدد وقفے وقفے سے ہونے والے سودوں کے ذریعے اس کوشش کی قیادت کی، جو 1918 میں برطانوی زیرِ انتظام فلسطین (Mandatory Palestine) کے قیام کے بعد بھی جاری رہی۔ ان سودوں میں سب سے بڑا انتظام، جسے 'سرسق خریداریاں' (Sursock Purchases) کہا جاتا ہے، کے نتیجے میں 1930 کی دہائی تک مرج ابن عامر (Jezreel Valley) اور حیفہ کی خلیج (Bay of Haifa) حاصل کر لی گئی۔ زمین کی اس خریداری کے ساتھ اکثر عرب مزارعین (Tenant Farmers) کو بے دخلی کا سامنا بھی کرنا پڑتا

یہاں پر ایک بات قابل غور ہے کہ یہودیت ایک مذہب جبکہ صیہونیت [11] ایک تحریک ہے۔ عرب اسرائیل جنگ اور موجودہ فلسطین اسرائیل جنگ سب صیہونی طاقت کا ناجائز استعمال ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ ہر صیہونی یہودی تو ہے لیکن ہر یہودی صیہونی نہیں ہے، یہودی عقیدہ ہے کہ مسیح کے آنے تک ہر قسم کی جنگ معطل ہے جبکہ صیہونی طاقت سے ریاست بنانے کے درپے ہیں۔ آرتھوڈوکس یہودی تو صیہونیوں کو "کلمہ کفر" کہتے ہیں۔ یہ نعرے انہوں نے بھرپور لگائے کہ "Zionism is blasphemy" اور صیہونیوں کی بھرپور مخالفت کرتے ہیں۔ حالیہ احتجاجات میں دیکھا جاسکتا ہے کہ یہودی صیہونیوں کو expose کرتے ہیں اور انہیں جنگ بندی کا کہتے ہیں۔ ساتھ فلسطین کا قتل عام کرنے سے روکتے ہیں [12] اور اس سب کے سخت خلاف ہیں۔ یہ ایک بنیادی بات تھی جو بتانا ضروری تھی۔

اصل مدعے کی طرف آئیں تو ابتداء میں صیہونیوں نے فلسطین آباد ہونے کے بعد برطانیہ پر حملہ کر دیا [13] اور اس سے جنگ کرنے لگے، اس وقت تمام عرب برطانوی حکومت کے زیر تھا یوں اس نے عرب کو اسرائیل سے لڑوادیا جس میں مصر، لبنان، شام اور فلسطین وغیرہ شامل تھے۔ اس جنگ میں عرب کو شکست ہوئی اور اسرائیل مزید مضبوط ہو گیا۔ اسرائیل نے King David ہوٹل کو بم کیا کافی نقصان کیے [14] اس کے بعد اپنی طاقت میں آتے ہی Universal Declaration Independence قائم کی۔ اس کے بعد عرب کو ہوش آیا کہ جب تک King Rule کے زیر سایہ رہیں گے تو کچھ بھی نا ہو گا ہماری شکست بھی اسی کا ثمر تھی لہٰذا اب اس کے اثر سے آزاد ہو کر اسرائیل کو روکنے کی کوشش کی جانے لگی۔ اس طرح 1952ء میں مصر کے اندر جمال عبد الناصر نے انقلاب برپا کر دیا۔ اس نے عوام کو متحد کیا اور ان میں تحریک اجاگر کی، دیکھتے دیکھتے مصر طاقت پکڑتا گیا ساتھ ہی اس نے کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے پر کمر آزمائی، جمال ناصر نے Suez canal [15] کا مطالبہ کر دیا کیوں کہ اس میں مصر کا بھی سرمایہ تھا لہٰذا وہ چاہتا تھا کہ یہ اب اس کے حوالے کر دی جائے۔ اگر یہ نہر

تھا۔ یکم اپریل 1945 کو، برطانوی انتظامیہ کے اعداد و شمار نے ظاہر کیا کہ یہودی خریداروں کے پاس برطانوی انتظام والے فلسطین کے کل زمینی رقبے کا تقریباً 5.67 فیصد قانونی ملکیت میں تھا، جبکہ ریاستی اراضی (جس کا ایک بڑا حصہ موروثی پٹے/لیز پر تھا یا اس کی ملکیت غیر متعین تھی) 46 فیصد تھی۔ 1947 کے آخر تک، یہودی ملکیت بڑھ کر 6.6 فیصد ہو چکی تھی۔ زمین کے حصول کا یہ سلسلہ بالآخر اس وقت ختم ہوا جب 14 مئی 1948 کو اسرائیل کے اعلانِ آزادی کے نتیجے میں یہودی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ ریسرچ پیپر دیکھیں

(*Rick ford, John R. (2016). Raciolinguistics: How Language Shapes Our Ideas about Race. Oxford University Press. pp. 185-186),* (Remennick, Larissa (5 July 2017). Russian Jews on Three Continents: Identity, Integration, and Conflict. Routledge. p. 522),(Hadawi, Sami (1957) Land ownership in Palestine, pg: 12–14)

(11) Zionism is a Jewish nationalist movement that emerged in political movement in 1897. Its primary purpose was the establishment and support of a sovereign, independent Jewish national state in Palestine

(12) آج یہودیوں کی بڑی تعداد اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرتی ہے اور اگر صیہونیت کے خلاف کسی کا کوئی بیان ملے بھی تو وہ مذہبی تاثرات کا حامل ہوتا ہے یعنی کہ جیسا تورات میں لکھا ہے ان کی سیاسی سرگرمیوں کے متعلق جو کہ مسیحا کے آنے سے قبل انہیں نہیں کرنی حصولِ فلسطین کے لیے۔ باقی مقصد دونوں کا ایک ہی ہے، صیہونی آج مسلمانوں کو مار رہے ہیں یہودی کل ماریں گے۔ (راقم)

(13) From 1939 to 1947 two Jewish terrorist organizations, the *Irgun Zvai Leumi* and the *Lohamei Herut Israel* (known to Jews by its Hebrew acronym, *Lehi*, and to the British as "The Stern Gang") challenged Britain's rule over Palestine. Those eight years began with the publication of the White Paper in May 1939 and ended in September 1947 with the decision taken by the British Government to surrender its League of Nations Mandate and withdraw from Palestine. (Jewish terrorist activities and the British government in Palestine, 1939-1947; thesis by Oxford University research archive)

(14) On 17 June, Zionists conduct simultaneous attacks on 8 major railroad and highway bridges. The following day, 6 British officers are abducted by Irgun in Tel Aviv and Jerusalem. On 29 June, British forces arrest 2,675 Jews, including 4 members of Jewish Agency, in retaliation for terrorist attacks. On 22 July, Irgun blows up a wing of the King David Hotel in Jerusalem housing the British civilian administration; 91 civilians are killed. Soon afterward, the British issue a special White Paper on Terrorism in Palestine accusing the Jewish Agency of involvement in acts of terrorism with the Irgun and LEHI-Stern Gang.

(15) نہر سویز کا بحران (1956) بیسویں صدی کا ایک اہم ترین تزویراتی معرکہ تھا جس کا آغاز اس وقت ہوا جب مصر کے صدر جمال عبد الناصر نے 26 جولائی 1956 کو اسوان ڈیم کی فنڈنگ سے امریکی اور برطانوی انکار کے جواب میں سویز نہر کو قومیانے (Nationalize) کا اعلان کیا، جس پر پہلے برطانوی اور فرانسیسی کمپنیوں کا کنٹرول تھا۔ اس اقدام کے ردِ عمل میں برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے فرانس کے شہر 'سیورے' میں ایک خفیہ ملاقات کے ذریعے مصر پر حملے کا منصوبہ بنایا اور 29 اکتوبر 1956 کو اسرائیل نے جزیرہ نما سینا پر جبکہ 31 اکتوبر کو برطانیہ اور فرانس نے پورٹ سعید پر بمباری کر کے جنگ کا آغاز کر دیا،

مل جاتی تو مصر کی طاقت میں خاطر خواہ اضافہ ہو تا جو برطانیہ کو منظور نہیں تھا اور فرانس بھی تو اس میں شریک تھا، اور اسرائیل بھی یہ علاقہ انہیں دینا نہیں چاہتا تھا ورنہ ان کے قریب ہی ان کا حریف مضبوط ہو تا رہتا۔ اسی اثنا میں فرانس، برطانیہ اور اسرائیل نے مصر پر حملہ کر دیا، ادھر USSR نے اپنے حریفوں کے خلاف مصر کا ساتھ دیا اور فرانس و برطانیہ کو دھمکی دی کہ "اگر مصر میں جنگ بندی نا کی گئی تو پیرس و لندن پر بم ہم گرا دیں گے"، بلگانیوں کی دھمکی اثر کر گئی کیوں کہ وہ اس وقت پوری طاقت میں تھے اس طرح فرانس و برطانیہ کو جنگ روکنا پڑی اور Suez canal مصر کا مقدر ہوئی۔ اس فتح کے بعد جمال ناصر مصر میں مزید مقبول ہو گیا پورا مصر اس کا دیوانہ تھا اور ساتھ ساتھ عرب بھی اس سے متاثر ہونے لگا۔ جب جمال ناصر ریڈیو پر تقریر کرتا تو عرب کی گلیاں سڑکیں لوگوں سے بھر جاتیں لوگ بھرپور توجہ سے اس کی تقریر سنتے تھے۔ بلگانیوں کے مصر سے اتحاد کے ساتھ مصر مضبوط ہوتا گیا اور یہاں سے Pan Arab Movement شروع ہو گئی۔ جمال ناصر کا یہ اتحاد کسی کو نا بھایا، برطانیہ وغیرہ تو چپ کر کے بیٹھ گئے، جمال خود سوشلسٹ تھا لیکن اس کے اتحادی کمیونسٹ تھے جس سے امریکہ کو پریشانی لاحق ہونے لگی وہ انہیں مزید مضبوط نہیں ہونے دے سکتا تھا، امریکہ نے مصر کو روکنے کے لیے اسرائیل کا استعمال کیا اور 12 سال اس کو بھرپور اسلحہ سے نوازا بے حد امداد کیں، ہتھیاروں سے لیس کیا، 1967ء میں جب اسرائیل کو یہ یقین ہو گیا کہ اب ان میں اتنی طاقت ہے کہ وہ کسی کے بھی پرخچے اڑا سکتا ہے اس کے پاس اتنے ہتھیار ہیں کہ جنگ کر سکتا ہے تو 12 سال کی خاموشی کے بعد اس نے 1967ء میں مصر سے جنگ شروع کر دی۔ سویت یونین نے بھی مصر کو ہتھیار دے رکھے تھے دونوں طرف سے جنگ برابر رہی، مصر کے ساتھ ساتھ لبنان اور شام بھی اس جنگ میں شامل ہو گئے۔ یہ جنگ چھ دن تک چلتی رہی اور Palestine Liberation Organization (PLO) بھی اس میں شریک ہو گئی۔ PLO [16] کا مقصد ایک غزہ اور دوجا مغربی کنارے (West Bank) میں امن قائم کرنا تھا، اور یہ غزہ میں صرف عرب ریاست کی خواہاں تھی۔ PLO نے اسرائیل کی خاصی دھلائی کی اس طرح 70 کی دہائی تک یہ اسرائیل سے برسرپیکار رہی۔ اسرائیل کے حلق میں PLO ایک کانٹا ثابت ہوئی اور وہ کسی طرح بھی اس سے نجات چاہتا تھا کیوں کہ PLO کسی طور بھی اسرائیل کو سکون سے رکھنے والی نہیں تھی اور بہت نقصان کر رہی تھی۔

اسرائیل نے شاہ حسین سے مدد مانگی کہ PLO کو روکا جائے، شاہ حسین نے پاکستان سے اپیل کی اور پاکستان آرمی نے بریگیڈیئر ضیاء الحق کو اس مشن پر بھیجا، پاکستان نے PLO سے جنگ [17] کی جو کہ ستمبر کے مہینے میں ہوئی تھی لہٰذا اس ستمبر کو Black September بھی کہتے ہیں۔ اور PLO کو غزہ سے نکال

لیکن یہ نو آبادیاتی مہم جوئی اس وقت ناکام ہو گئی جب امریکہ (صدر آئزن ہاور) اور سوویت یونین نے یکجا ہو کر حملہ آور ممالک پر شدید معاشی و سیاسی دباؤ ڈالا اور 2 نومبر 1956 کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ہنگامی اجلاس میں بھاری اکثریت سے جنگ بندی کی تاریخی قرارداد 997 منظور کی جس کے نتیجے میں دسمبر 1956 تک برطانوی اور فرانسیسی افواج اور مارچ 1957 تک اسرائیلی فوج کو مکمل انخلا پر مجبور ہونا پڑا اور وہاں اقوامِ متحدہ کی پہلی امن فوج (UNEF) تعینات کر دی گئی، جس نے عالمی سیاست میں برطانوی و فرانسیسی نو آبادیاتی دور کے خاتمے پر مہر ثبت کر دی اور یہ نہر مستقل طور پر مصر کی ملکیت میں چلی گئی جسے آج بھی مصر کی سرکاری باڈی "سویز کینال اتھارٹی" (SCA) مکمل قومی خود مختاری کے ساتھ چلا رہی ہے۔

[16] فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (PLO)، عربی میں "منظمة التحرير الفلسطينية"، ایک چھتری تلے قائم (سربراہ) سیاسی تنظیم ہے جو فلسطینی عوام کی ایک آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کی جدوجہد میں ان کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس تنظیم کو 1964 میں مختلف فلسطینی گروہوں کی قیادت کو ایک مرکز پر لانے کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔ 1967 کی چھ روزہ جنگ (Six-Day War) کے بعد، پی ایل او (PLO) نے ایک واضح اور مخصوص فلسطینی ایجنڈے کو فروغ دیا۔ 1969 میں، پی ایل او کے سب سے بڑے دھڑے "فتح" کے رہنما، یاسر عرفات اس کے چیئرمین بن گئے۔ 1960 کی دہائی کے اواخر سے، پی ایل او نے اردن میں قائم اپنے اڈوں سے اسرائیل پر گوریلا حملے شروع کیے، جہاں سے انہیں 1971 میں نکال دیا گیا، جس کے بعد پی ایل او کے ہیڈ کوارٹر کو لبنان منتقل کر دیا گیا۔ 1974 میں، یاسر عرفات نے پی ایل او کی سرگرمیوں کو اسرائیل کے خلاف براہِ راست حملوں تک محدود کرنے کی وکالت کی، اور عرب برادری نے پی ایل او کو تمام فلسطینیوں کے واحد جائز نمائندے کے طور پر تسلیم کر لیا۔ 1976 میں اسے عرب لیگ میں شامل کر لیا گیا۔ 1982 میں اسرائیل نے لبنان پر حملہ کر کے وہاں قائم پی ایل او کی افواج کو وہاں سے نکال دیا۔ 1988 میں پی ایل او کی قیادت نے، جو اس وقت تیونس میں مقیم تھی، ایک آزاد فلسطینی ریاست کا اعلان کیا اور اگلے ہی سال یاسر عرفات کو اس کا صدر منتخب کر لیا۔ تنظیم نے اسرائیل کے وجود کے حق کو بھی تسلیم کر لیا، اگرچہ کئی عسکری دھڑوں نے اس سے اختلاف کیا۔ 1993 میں اسرائیل نے پی ایل او کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کر کے اسے تسلیم کر لیا، جس کے تحت مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کے کچھ حصوں میں فلسطینیوں کو خود مختاری (فلسطینی سیلف رول) دی گئی۔ اس کے بعد پی ایل او "فلسطینی نیشنل اتھارٹی" (فلسطینی قومی انتظامیہ) کا ایک لازمی حصہ بن گئی۔

[17] In 1970, Pakistan's former military dictator Zia-ul-Haq helped the Jordan king kill "more Palestinians in 11 days than Israel could kill in 20 years." Zia-ul-Haq, who was then a Brigadier, led offensives alongside the Jordanian army that killed over 3,000 Palestinians in Jordan. He was dispatched by Pakistan to assist the

دیا، PLO یہاں سے نکل کر لبنان میں جا بسی۔ لیکن اسرائیل اس کا مکمل خاتمہ چاہتا تھا۔ موساد یاسر عرفات کو مارنا چاہتی تھی، جہاں وہ ہوتا وہیں حملہ کر دیا جاتا لیکن وہ بھی ہر رات نئی جگہ پر سوتا تھا، اس کام میں کئی بستیاں تباہ ہوئیں مگر عرفات ان کے ہاتھ نا آیا۔ عرب نے پاکستان سے مدد مانگی، یہ 73 کی دہائی تھی اور پاکستان میں بھٹو کی حکومت تھی، بھٹو جمال ناصر سے بہت متاثر تھا گرچہ جمال کا انتقال ہو چکا تھا لیکن بھٹو پاکستان کا جمال ناصر بننا چاہتا تھا۔ اب پاکستان نے عرب کا ساتھ دیا اور اسرائیل و عرب کی شدید جنگ ہوئی اس کو Yom Kippur war کہا جاتا ہے۔

1978ء میں اسرائیل نے مصر سے معاہدہ کیا، انور سادات نے اس معاہدے پر دستخط کر کے خود کو اسرائیل سے امن میں رکھا اور یوں ہی مزید چاپلوسیوں کے نتیجے میں مصر سویت یونین سے نکل کر امریکہ کیمپ میں شامل ہو گیا۔ یوں امن کے نام پر یہ اسرائیل کی بڑی فتح تھی۔ اسرائیل میں بائیں بازو کی تحریکوں نے زور پکڑنا شروع کر کے جنگ بندی پر زور دینا شروع کر دیا۔ Maki[18] اسرائیل میں بائیں بازو کی کمیونسٹ تحریک تھی جس نے ہمیشہ اسرائیل کے خلاف موقف اپنایا تھا اور اس کی پارلیمان میں بیٹھ کر اس کے خلاف آواز اٹھائی، اور اپنے لیے داد سمیٹی۔ یہ ترقی پسند تحریک چاہتی تھی کہ امن و امان قائم ہو اور مزدور، کسان طبقہ کو ترقی کرنے کا موقع دیا جائے۔ ان حالات کے اندر 1988ء میں غزہ کی پٹی میں اخوان المسلمین[19] الیکشن میں آئی اور اس نے PLO کی مخالفت کی کیوں کہ یہ امن کی داعی تھی اور چاہتی تھی کہ PLO کو مغربی کنارے سے نکال دیا جائے، لہٰذا اس نے بھرپور عملی کوشش بھی کی اور PLO کو مغربی کنارے سے نکال دیا۔ انہوں نے جمہوریت کے ذریعے اقتدار میں آنے کو ترجیح دی اور یوں ایک طرف غزہ میں حماس کا مکمل قبضہ ہو گیا اور دوجی طرف لبنان میں PLO کا تسلط قائم ہو گیا۔

اسرائیل تو PLO کے خلاف تھا اور تبھی یاسر عرفات کو مارنا بھی چاہتا تھا، اس نے پالیسی چلاتے ہوئے حماس کا ساتھ دینا شروع کر دیا، انہیں الیکشن لڑنے کی اجازت دی بلکہ انہیں ہتھیار بھی فراہم کیے وجہ صرف یہ کہ حماس PLO کی حریف ہے اور "دشمن کا دشمن دوست"، اور اسرائیل مزید مضبوط ہو سکے۔ عرفات کو قتل کرنے کی جتنی کوشش اسرائیل نے کی سبھی ناکام ہوئی، بعد ازاں عرفات سے صلح کر کے اسے دوبارہ غزہ میں آنے کی اجازت دے دی گئی۔ کچھ عرصہ گزرا تو اسرائیل نے بہانے تراشنے شروع کر دیے کہ عرفات گروپ تو ہمارے ڈسکوز Discos تباہ کر دیتے ہیں، دکانیں توڑ ڈالتے ہیں لہٰذا ان کے ساتھ تو امن کسی صورت بھی ممکن نہیں اور یوں اسباب بنا کر عرفات پر حملہ کیا اور عرفات مارا گیا۔

Jordanian army in 1967. In his fight against the Palestine Liberation Organization (PLO), King Hussein had ordered his troops to target Palestinians in refugee camps around Amman in 1970. This 1970 conflict between the Jordan King and Palestine Liberation Organization (PLO), was called “Black September.”
The significance of Black September was noted by British-Pakistani writer Tariq Ali, who quoted Moshe Dayan, one of the founders of the State of Israel, as saying that King Hussein killed more Palestinians in 11 days than Israel could in 20 years. And Pakistan facilitated these killings of Palestinians, with Zia-ul-Haq playing a major role. Black September ended the influence of Palestinian fighters in Jordan and led to their expulsion from the country. From September 17th to September 27th, the Jordanian army and its supporters including Pakistani troops led by Brigadier Zia ul Haq fought Palestinians, including fighters from the Palestinian Liberation Organization (PLO). About 4000 to 10,000 individuals were said to have died in the conflict, mainly innocent civilians involved in city combat.

(18) The Communist Party of Israel, commonly known by its Hebrew abbreviation Maki (מק"י), is a communist political party in Israel that forms part of the Hadash political alliance. It was founded in 1965 as the New Communist List or Rakah (רק"ח), by an anti-Zionist faction of the original Maki.

(19) اخوان المسلمین ایک عالمی اسلامی سماجی و سیاسی تحریک ہے جس کی بنیاد 1928 میں مصر کے شہر اسماعیلیہ میں ایک سکول ٹیچر حسن البناء نے رکھی تھی، جس کا بنیادی مقصد معاشرے کی اسلامی اصولوں پر اصلاح اور ایک ایسی ریاست کا قیام تھا جو شریعت کے مطابق کام کرے، جبکہ حماس (حركة المقاومة الاسلامية) اسی اخوان المسلمین کی فکری کوکھ سے جنم لینے والی ایک فلسطینی عسکری و سیاسی تنظیم ہے جس کی بنیاد دسمبر 1987 میں پہلی فلسطینی تحریکِ مزاحمت (انتفاضہ اول) کے دوران غزہ اور مغربی کنارے کے علاقے میں شیخ احمد یاسین (اور ان کے رفقا) نے رکھی تھی، جس کا بنیادی مقصد مسلح و سیاسی جدوجہد کے ذریعے تاریخی فلسطین کو اسرائیلی قبضے سے آزاد کرانا اور وہاں ایک آزاد اسلامی ریاست قائم کرنا ہے؛ یوں اخوان المسلمین ایک وسیع تر فکری اور دعوتی نیٹ ورک کے طور پر مصر سمیت پوری عرب دنیا میں پھیلی، جبکہ حماس نے خود کو خاص طور پر فلسطین کے خطے اور اسرائیل کے خلاف مزاحمت تک محدود رکھا اور آج وہ غزہ کی پٹی پر عملاً اثر و رسوخ رکھتی ہے۔

2006ء میں بھی حماس الیکشن جیت گئی لیکن مستقبل میں اس کا انہیں کچھ فائدہ نہ ہوا۔ صلح میں رہتے ہوئے بھی ان پر مکمل پابندیاں جاری تھی 20 ہزار فلسطینی اسرائیل جا کر مزدوری کرتے تھے۔ تمام سپلائی پانی، گیس، بجلی وغیرہ سب اسرائیل کے قبضے میں تھی اور اسرائیل نے حماس کے ارد گرد بڑی بڑی دیواریں کھڑی کر کے انہیں ایک کھلی جیل میں قید کر دیا۔ 2020ء میں اسرائیل اور عرب کے مابین Abraham Accord ہوا جو امریکہ نے کروایا تاکہ تمام اقوام اطمینان سے رہیں۔ یہ اس لیے کیا گیا کہ اس خطے کا ماحول پُر سکون و پُر امن رکھا جائے۔

جیسے 2013 میں چین نے ایک منصوبہ شروع کیا China Belton Road جو تجارتی راہداری کا قیام تھا۔ یہ پروگرام پوری دنیا نیز مشرقی ایشیا کے لیے بہت مفید اور ساتھ ساتھ مغرب کے لیے بھی کار آمد ہے۔ یہ economic corridor چین سے ہوتا ہوا پاکستان اور یہاں سے ایشیاء کے مختلف ممالک سمیت افریقہ، یورپ وغیرہ سے ہو کر 150 ممالک کو لیتا ہوا دنیا کے دوسرے کونے تک جا پہنچتا تھا۔ اسی نوعیت کی بھارت، وسطی ایشیاء اور یورپ اقتصادی راہداری بننے جا رہی تھی جس کا راستہ اسرائیل سے ہوتا ہوا گریس تک پہنچتا اور یوں اس میں شامل تمام ممالک مالا مال ہو جاتے۔ India Middle-East Europe Economic Corridor نے تمام ترجیحات بدل دیں۔[20]

بھارت جس نے PLO کو تسلیم کیا تھا بلکہ نہرو نے فلسطین کے حق میں بولا تھا[21] لیکن اس پروگرام کے بعد مودی حکومت نے بالکل اس معاملے سے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ اسرائیل و فلسطین معاملے سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے بلکہ ان کا رجحان اس راہداری پر ہے اور اس کی فلاح کے لیے تمام منصوبہ جات تیار کیے جائیں

---

[20] The India Middle-East Europe Economic Corridor (commonly abbreviated as IMEC or IMEEC) is a planned connectivity project that aims to bolster economic development by fostering connectivity and economic integration between Asia, the Persian Gulf and Europe. The economic corridor consists of an infrastructure route from India to Europe through the United Arab Emirates, Saudi Arabia, Israel, and Greece. The route draws on what is now described as the ancient Golden Road. The countries and political entities participating in the India-Middle East-Europe Economic Corridor (IMEC) are India, the United Arab Emirates (UAE), Saudi Arabia, Jordan, Israel, the United States, and the European Union (along with its member states like France, Germany, and Italy).

Corridor Structure:

East Corridor: This connects India to the Arabian Gulf. It will serve as a vital trade and transit route linking South Asia to the Middle Eastern economies.

North Corridor: This corridor extends from the Gulf to Europe, enabling goods, services, and people to move efficiently between the Middle East and the European continent.

Supplementary Routes:

To complement the railway system, maritime and road transport routes will be developed.This multimodal approach ensures flexibility, resilience, and redundancy in the logistics chain, allowing cargo to move seamlessly across different modes of transport based on needs and circumstances.

Transit Network:

The core of IMEC's transit network will involve railway infrastructure facilitating cross-border transit. The railway network aims to streamline cargo movement, reduce transportation time, and enhance overall trade efficiency by providing an alternative to traditional maritime routes.

Infrastructure Development:

Beyond just transport, the corridor will also develop supporting infrastructure in sectors such as:

Electricity: Ensuring energy availability across the corridor.

Digital Infrastructure: Supporting smart logistics, real-time tracking, and seamless communication.

Hydrogen: Promoting clean energy transportation and possibly establishing hydrogen supply chains.

[21] India's relationship with Palestine is deeply rooted in its own struggle for freedom. The voices of Mahatma Gandhi and Jawaharlal Nehru rang with conviction against the Zionist imposition in Palestine. Gandhi's words, 'It is wrong and inhuman to impose the Jews on the Arabs', echoed the moral clarity of a nation that had itself fought against imperialism. Nehru, a stalwart of anti-colonial solidarity who visited the Gaza Strip in 1960, opposed the UN Resolution 181 (partition of Palestine) in 1947, viewing it as an extension of British imperialism a prelude to the bloodshed that had marked the partition of India and Pakistan. Later, in 1974, India became the first non-Arab

گے۔ حماس کو اب خطرے کا احساس شدید طریقے سے ہوا حقیقت واضح تھی کہ اتنی دیر امن کے نام پر بھی ان پر پابندیاں ہی عائد کی گئی تھیں، جگہ جگہ چیک پوسٹ فلسطینیوں کے لیے اور ہر وسائل ان کے لیے محدود تھے اس معاشی راہداری کے بننے سے ویسے ہی حماس کو اقوامِ عالم بھول جاتی اور ساری توجہ اسرائیل پر ہی مرکوز رہتی لہٰذا حماس نے بہت غور و فکر سے فیصلہ کیا اور اسرائیل پر حملہ کر دیا۔ اسرائیل نے حماس کو مٹانے کی ٹھان لی اور پوری طرح سے تباہ کرنا شروع کر دیا۔ سڑکیں مکمل پھٹ گئیں اور علاقے ویران و بنجر ہو گئے ہیں۔ اس سے Abraham Accord کی تو مکمل دھجیاں اڑ گئیں اور اکنامک کاریڈور بھی خطرے میں پڑ گیا۔ سعودی حکومت نے واضح کہہ دیا کہ اگر اسرائیل جنگ بندی نہیں کرتی تو ہم اس معاہدے، اس راہداری کے لیے مزید آگے نہیں بڑھ سکتے۔ کیوں کہ راستے تباہ ہو چکے ہیں سب ملیامیٹ ہو کر رہ گیا ہے۔

---

country to recognise the Palestine Liberation Organisation (PLO) as the legitimate representative of the Palestinian people; and in 1988, India was among the first countries to recognise the State of Palestine, further cementing its support for Palestinian self-determination. *(Walking a Tightrope: India and the Palestine Question by Dharminder Singh Kaleka; 18 Nov 2024; published by: The London school of economics and political science)*

مسئلہ کا حل

یہ تھا اصل مدعا اب تک کی اصل وجوہات کہ کون کیا چاہتا ہے۔ اگر اس کے علاوہ دیکھا جائے تو کہا جاتا ہے کہ یہودی مسجدِ اقصیٰ کو گرا کر ہیکل سلیمانی تعمیر کروانا چاہتے ہیں۔ یہ سب حقیقت بھی ہے اور قیاس آرائیاں بھی۔ بہر کیف یہ بعد کی باتیں ہیں مسئلہ جو در پیش ہے اسکا حل ضروری ہے۔ مندرجہ بالا بحث کے بعد اب نتیجہ اخذ کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا

- صیہونیوں کو فلسطین سے نکال دینا چاہیے؟
- ایک اسلامی ریاست قائم کرنی چاہیے؟
- ایک سیکولر ریاست قائم ہونی چاہیے؟
- یا دوریاستی حل ہونا چاہیے؟

تو بات اس طرح سے ہے کہ ریاست کیسی ہو کس طرح کی ہو یہ ہمارا کام نہیں ہے یہ فلسطینی عوام کا مسئلہ ہے اور وہی اسے حل کریں گے ان ہی کی مرضی کے مطابق ہو گا، ہمارا کام یہ ہے کہ اقوامِ عالم سے اس مسئلہ کو حل کرنے کا کہا جائے اس کے لیے احتجاج کیا جائے، ریاست جیسی بھی ہو قائم ہو مسئلہ یہ کہ حکومت کون کرے گا؟ مسلمان، عیسائی یا یہودی؟ تینوں میں سے کسی کی بھی حکومت آتی ہے تو کیا یہ ایک دوسرے کو تسلیم یا منظور کریں گے؟ یہ سرزمین تینوں مذاہب کی ہے یہاں پر سب نے رہنا ہے اور سکون سے امن سے رہنا ہے اس لیے مسئلہ کا حل یہ ہے کہ اسرائیل کا نسلی تعصب نسلی جارحیت Apartheid nature of Israel ختم کی جائے۔ کسی بھی قوم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی بقا کے لیے دوسروں کی بلی چڑھائے یا پھر ایک علاقے پر قبضہ جمانے کے لیے باقیوں کی نسل کشی کی جائے۔ یہاں جو ریاست قائم ہو اس میں حکومت بائیں بازو ترقی پسند عوام کی ہونی چاہیے تا کہ مساوی حقوق سب کو مل سکیں۔ [22]

یہودی، عیسائی اور مسلمانوں کو بلا تفریق حقوق دیے جائیں ہر قسم کا امتیازی سلوک نا قابلِ قبول ہے صرف ایک ریاست کا قیام ضروری ہے اور وہ ہے فلسطین۔ اور تمام مسلم ممالک کا یہ حق ہے اور ان کے لیے لازم ہے کہ وہ انسانیت اور مسلم ہونے کے ناطے فلسطین کا ساتھ دیں اور جلد از جلد اس مسئلہ کو حل کیا جائے۔ امید ہے تمام تر بحث، حقائق سے سب واضح ہو گیا ہو گا اس لیے ہمیں صحیح معلومات کے مطابق بحث و مباحثہ کرنا ہے اور اس پر اپنی رائے دینی ہے۔ اللہ ہم سب کو حق سمجھنے اور جاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

محمد مرصاد حیدر تیمور آسوی
متعلم جامعہ نعیمیہ لاہور
11 نومبر 2023ء

(22) یہاں پر قاری کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ میں اسلامی فلسطینی ریاست کا خواہاں نہیں ہوں جبکہ وضاحت کر تا چلوں کہ ہمارا موقف یہی ہے کہ مذاہبِ ثلاثہ یہاں آباد رہیں مگر حکومت انہی کی ہو جن پر اسرائیل مسلط ہوا ہے یعنی کہ فلسطینی عوام کی۔ اور اقلیتوں میں بقیہ مذاہب کو محدود نشستیں دے دی جائیں تو روا ہے، الغرض اگر کفر و ظلم کے گڑھ اقوام متحدہ میں اسلامی ریاست کی بات کی جائے گی تو کسی طور بھی قبول نہیں ہو گی البتہ فقط یہ کہنا کہ فلسطینی عوام کو اختیارات دیے جائیں تو مباح ہے اور مکمل بحث میں ہم نے مذہبی تاثرات اس لیے ذکر نہیں کیے کہ بین الاقوامی تعلقات کے کچھ اصول ہیں جن میں مذہب کا ذکر انتہا پسندی سمجھا جاتا ہے جیسا کہ اسرائیل جب تورات کا حوالہ دے تو مخالفین کی جانب سے اسے extremists کہا جاتا ہے اسی طرح جب ہم اسلام کا حوالہ دیں گے تو عالم کفر امڈ آئے گا، نیز ہمیں بس قوم قوم ملک ملک کھیلنا ہے کہ اپنا کام جیسے بھی نکلے۔

یہ مضمون چونکہ تین سال قبل لکھا گیا تھا اور اس سارے وقت میں ہم نے وہ سب دیکھا جسے دیکھنے کی سکت بھی نہ تھی اور پھر اقوام عالم کی بے حسی بھی سامنے ہے تو معلوم ہو تا ہے کہ اقوام متحدہ کے فورم پر بات کرنا اور فلسطین کو اس کا حق دلوانا بے جا سی جستجو ہے جس کا حتمی کوئی فایدہ نہیں ہے اس سارے مسئلہ کا حل فقط امت مسلمہ اور دنیا میں امن کے داعی ممالک کا اسرائیل جیسے حقیقی دہشت گرد اور ناجائز قبضے کی سرکوبی میں ہی ہے۔ کاغذی کاروائیوں اور اقوام متحدہ کے چکروں سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اور ایک ریاستی حل پر تو پہلے بھی موقف تھا لیکن جو مبہم بات کی گئی اسے اگر سمجھیں تو جب ظلم و ستم سے مبرا عادل حکومت قائم ہونے کا ذکر کیا تو یہ بلواسطہ اسلام ہی کا ذکر تھا کہ ایسا نظام اسلام کے سوا اس خطے میں کون لا سکتا ہے؟ ہماری بات ایک ہی ہے البتہ اس کے طریقے الگ ہو سکتے ہیں۔